ٹارگٹ
طاہر جاوید مغل
یاسر حسنین & محمد سجاد بھٹی

ان دنوں ملک کے کئی بڑے شہروں میں دہشت گردی کے واقعات ہو رہے تھے۔ موبائل فائرنگ اور بم دھماکوں کی خبریں اخبارات میں چھپتی رہتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر پولیس کو بھی خصوصی قسم کے انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ شہر کے حساس مقامات پر اکثر سفید پوش پولیس اہلکار موجود رہتے ہیں۔ خود کو کیموفلاج کرنے کے لیے وہ مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کہیں کوئی اہلکار چھابڑی فروش بنتا ہے، کہیں بھیک منگا اور کہیں دکان دار۔ یہ لوگ خصوصی تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ وحید اسپیشل پولیس میں انسپکٹر کے عہدے پر فائز تھا۔ ان دنوں اس کی ڈیوٹی بھی فیلڈ میں تھی۔ وہ سادہ پوش کی حیثیت سے لاہور اسٹیشن پر تعینات تھا۔ ایک بستر چارپائی ہوٹل میں وہ بطور مسافر قیام پذیر تھا۔ ریلوے اسٹیشن، بس اڈے اور مزارات کے گردونواح اکثر جرائم پیشہ لوگوں کی آماجگاہ ہوتے ہیں اور وہاں سے پولیس والوں کو اکثر بڑے اہم کلیوز ملتے ہیں۔

ایک روز وحید کی نگاہ بھی ایک مشتبہ شخص پر پڑی۔ وہ اپنے حلیے سے خالص دیہاتی نظر آتا تھا۔ سیالکوٹ یا گوجرانوالہ کے علاقے کا لگتا تھا۔ عمر قریباً چوبیس سال تھی۔

ایک پولیس افسر کی زندگی میں پیش آنے والے عجیب وغریب واقعہ کا احوال

ایک دانا و بینا اور حد درجہ عقل مند شخص کا فسانہ۔ اسے خود پر ناز تھا۔ مگر کبھی کبھی وہ کچھ ہو جاتا ہے جس کی توقع کوئی نہیں کر سکتا۔ اُس کے ساتھ بھی ایسی ہی ایک انہونی ہوئی اور پھر وقت کی ڈور اس کے ہاتھوں سے نکلتی چلی گئی۔

ٹارگٹ

طاہر جاوید مغل

شیو بڑھی ہوئی، بال منتشر، شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں ایک میلی سی گرم چادر تھی۔ وحید نے علی الصباح پانچ بجے اسے سرائے کے سامنے والی سڑک سے گزرتے دیکھا۔ ایک بوری اس نے کمر پر لاد رکھی تھی۔ سوچی سوچی آنکھوں کے ساتھ وہ وحید کے بالکل قریب سے اس پر توجہ دیے بغیر گزر گیا۔ وحید کو فوراً یاد آیا کہ کل بھی قریباً اسی وقت یہ شخص بوری لے کر اسی جگہ سے گزرا تھا۔ وحید کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید یہ کوئی کاریگر ہے جس نے بوری میں اوزار وغیرہ باندھ رکھے ہیں یا پھر پھیری لگانے والا، جس نے بوری میں فروخت کا سامان رکھا ہوا ہے۔ جس چیز نے وحید کو شک میں مبتلا کیا، وہ اس شخص کا صبح سویرے نظر آنا اور گھبرایا گھبرایا ہونا تھا۔ اس سے پہلے کہ وحید اس شخص کے بارے ..... میں کچھ اور سوچتا یا اسے روک کر اس سے کوئی بات کرتا وہ دور نکل چکا تھا۔ نہ جانے کیوں وحید کا دل چاہا کہ اس شخص کا پیچھا کیا جائے لیکن پھر خنکی اور سستی اس پر غالب آ گئی اور وہ خستہ حال چارپائی پر کمبل لے کر لیٹ گیا۔

اس روز شام کو وحید نے اس دیہاتی کو سڑک پر سے گزرتے دیکھا تو بوری اس کے پاس نہیں تھی۔ بوری وہ کہاں چھوڑ آیا تھا؟ یہ سوال بڑی شدت سے وحید کے ذہن میں ابھرا۔ وہ دیہاتی کے پاس چلا گیا۔ "سلاماں لیکم۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

دیہاتی نے وحید کے سلام کا جواب دیا اور خالی خالی نظروں سے وحید کو تکنے لگا۔ وحید کے پوچھنے پر ارشاد نامی اس دیہاتی نے وحید کو بتایا کہ وہ گاؤں سے مزدوری کرنے کے لیے یہاں آیا ہے۔ وحید نے عام سے لہجے میں پوچھا۔ "تمہارے پاس شاید ایک بوری بھی تھی، وہ کہاں گئی؟"

وحید کو حیرت ہوئی جب دیہاتی بوری یا کسی تھیلے وغیرہ کے وجود سے صاف مکر گیا۔ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا کہ اس کے پاس کوئی بوری نہیں تھی۔

ارشاد نامی اس دیہاتی نوجوان کا جواب وحید کے شک کو پختہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے کل صبح اور پرسوں صبح خود اس شخص کو بوری سمیت سڑک پر سے گزرتے دیکھا تھا۔ وحید سے مختصر بات کر کے وہ شخص اب کافی فاصلے پر جا چکا تھا، وحید نے اسے نظر میں رکھا اور آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ شام اب رات کی تاریکی میں بدل رہی تھی۔ فٹ پاتھ پر، مارکیٹوں کے برآمدوں میں اور سڑک کے کنارے گرین بیلٹس پر ایک دنیا آباد ہو چکی تھی۔ دور دراز سے آئے ہوئے مزدور، مسافر اور بے آسرا لوگ یہاں وہاں چادریں بچھا کر بیٹھ گئے تھے یا لیٹ گئے تھے۔ یہی جگہیں ان کا رین بسیرا تھیں۔ مشکوک دیہاتی اپنا ڈیرا جمانے کے لیے دیر تک یہاں وہاں کوئی مناسب جگہ ڈھونڈتا رہا۔ ایک دو افراد سے اس کی تکرار بھی ہوئی۔ آخر ایک مارکیٹ کے برآمدے میں اسے جگہ مل گئی۔ اس نے وہاں چادر بچھائی اور اپنے بازو کو تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

انسپکٹر وحید کی نظر میں یہ شخص "بلیک لسٹ" ہو چکا تھا۔ رات کو وحید نے اپنے سادہ پوش ماتحت ایس آئی مشتاق باجوہ کو بھی اس شخص کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ بوری کے حوالے سے ارشاد نے جو غلط بیانی کی تھی، وہ نظر انداز کرنے والی نہیں تھی۔ اگلے روز وحید نے ازخود ارشاد کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا۔ آج بھی وہ علی الصباح روانہ ہو گیا تھا۔ میلی سی گرم چادر جسے وہ رات بھر اوڑھ کر سویا رہا تھا، اب اس کے کندھے پر نظر آتی تھی۔ وہ اسٹیشن کے علاقے سے نکلا اور لکشمی چوک کی طرف آ گیا۔ یہاں سے وہ بس میں بیٹھا۔ وحید بھی اس کے ساتھ ہی بس میں سوار ہو گیا۔ آخر وہ گلبرگ کے فیشن ایبل علاقے میں پہنچ گئے۔ پیدل چلتا ہوا وہ گلبرگ کے رہائشی علاقے میں پہنچا اور ادھر اُدھر گھومنے لگا۔ اس کا انداز مشکوک ہی تھا۔ وہ جیسے کوئی خاص مقام ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رک رک کر نیم پلیٹس دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر وہ ایک مسجد کے اردگرد مشکوک انداز میں گھومنے لگا۔ وہ قریباً تین بار مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد کے عین دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر آگے نکل گیا۔

دوپہر کے وقت وہ گلبرگ کی ہی ایک اور جامع مسجد کے سامنے نظر آ رہا تھا۔ یہاں بھی وہ دو تین بار مسجد میں داخل ہوا اور باہر نکلا۔ ہر بار جب وہ مسجد کے بیرونی دروازے سے نکلتا کئی بار دائیں بائیں دیکھتا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھے جا سکتے تھے۔ شام تک وہ مسلسل گلبرگ کے علاقے میں گھومتا رہا۔ ایک جگہ اس نے بھنے ہوئے چنے لے کر کھائے اور ایک سرکاری نلکے سے پانی پیا۔ شام تک وہ کم از کم چار مساجد میں گیا اور وہی حرکات کیں جو پہلے کی تھیں۔ شام سے تھوڑی دیر پہلے وہ واپس روانہ ہو گیا اور ساڑھے چھ بجے کے قریب اسٹیشن واپس پہنچ گیا۔

رات کو وحید اور اس کا ماتحت ایس آئی مشتاق باجوہ سرائے کے بوسیدہ کمبلوں میں دبک کر دیر تک اس شخص کے بارے میں تبصرہ کرتے رہے۔ مشتاق نے وحید کو بتایا کہ وہ آج اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی

کوشش کرتا رہا ہے مگر کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔
جس شخص کے قریب کل رات ارشاد سویا تھا اس سے بس یہ پتا چل سکا تھا کہ اس کا نام ارشاد عرف شادا ہے، وہ شکر گڑھ کے کسی گاؤں کا رہنے والا ہے اور ترکھان کا کام کرتا ہے۔

اگر وہ ترکھان کا کام کرتا تھا تو ممکن تھا کہ اس کی بوری میں اوزار ہی ہوں مگر جس شخص نے ارشاد کے بارے میں بیان دیا، اس نے ارشاد کے پاس بوری نہیں دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ بھی کوئی شخص ارشاد اور اس کی بوری کے بارے میں معلومات فراہم نہیں کرسکا تھا... انسپکٹر وحید پولیس والوں کی تعلیم یافتہ کھیپ میں سے تھا اور روایتی پولیس انسپکٹروں سے کافی حد تک مختلف بھی تھا۔ اپنے پیشے کی نسبت سے اس نے چہرہ شناسی کے بارے میں کافی کچھ پڑھ رکھا تھا، وہ کچھ عرصہ پولیس ڈپارٹمنٹ کے اس شعبے سے بھی منسلک رہا تھا جہاں کمپیوٹر پر ملزمان کے خاکے وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ کمبل میں دبکے دبکے انسپکٹر وحید نے اپنے ماتحت باجوہ سے کہا "کل میں نے اس بندے کے چہرے کو بڑے غور سے READ کیا تھا۔ اس کے ناک نقشے میں وہ ساری اونچ نیچ پائی جاتی ہے جو ایک نہایت عیار اور غلط کار شخص کے چہرے پر ہوتی ہے۔ غیب کا علم تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے بہرحال مجھے شبہ ہے کہ یہ شخص وہ نہیں جو نظر آرہا ہے۔ اس شخص کے ہونٹ پتلے اور اندر کو دبے ہوئے ہیں جو اس کے اندر کی برداشت اور ضبط کی نشاندہی کرتے ہیں۔ گردن زیادہ لمبی نہیں ہے اور صحت مند ہے جس سے اعصاب کی مضبوطی ظاہر ہوتی ہے۔ ناک کا پھیلاؤ اور جبڑے کی چوڑائی بھی جسمانی مضبوطی اور توانائی کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کی بھویں گھنی اور آنکھیں چھوٹی ہیں۔ ان سے مزاج کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیشانی کی ساخت، ذہانت اور چالاکی کو ظاہر کرتی ہے۔"

"مگر یہ شخص بول چال اور حلیے کے اعتبار سے تو پکا پکا دیہاتی نظر آتا ہے۔"

"ممکن ہے کہ اس نے بہروپ بھر رکھا ہو۔ ایک کامیاب بہروپیا خود کو مکمل طور پر ایک نئی شخصیت میں ڈھال لیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کچھ عرصے کے لیے اپنے آپ کو بھی فراموش کردیتا ہے۔"

وہ دونوں رات گئے تک اس شخص کے بارے میں تبصرہ کرتے رہے۔ مساجد میں اس شخص کا گھومنا اور گلیوں میں گھومنا ہر زاویے سے مشکوک دکھائی دیتا تھا۔ اس کی بوری بھی دوبارہ اس کے کندھے پر نظر نہیں آئی تھی۔ وحید اور باجوہ کے ذہنوں میں بدترین خدشہ یہ تھا کہ شاید اس تھیلا نما بوری میں کوئی بم وغیرہ تھا جو اس نے کہیں رکھ دیا تھا لیکن اگر وہ بم تھا تو ابھی تک کوئی تازہ منحوس خبر کیوں نہیں آئی تھی۔ باجوہ کا خیال تھا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈال دیا جائے اور اس سے براہِ راست پوچھ گچھ کی جائے مگر وحید ابھی ایک آدھ دن مزید آبزرو کرنا چاہتا تھا۔

اگلے روز بھی وہ شخص بس پر بیٹھ کر گلبرگ پہنچا اور اسی طرح سڑکوں پر گھومنے لگا۔ گاہے گاہے وہ رک کر کوٹھیوں کے اندر بھی جھانکتا تھا۔ ایک دو جگہوں پر اسے چوکیداروں نے ڈانٹا ڈپٹا بھی پھر ایک جگہ پر رکھوالی کے دو کتوں نے اس کی خبر لی اور اس کی ٹانگیں پھاڑنے کے درپے ہوگئے۔ اس نے بہ مشکل خود کو بچایا۔ آج بھی وہ دو مساجد میں گیا۔ دو تین بار دروازے میں داخل ہوا اور باہر آیا۔ دوسری مسجد میں اس نے نمازیوں میں گھس کر نماز عصر بھی ادا کی۔ وحید اور مشتاق باجوہ اسے ہر لمحہ نگاہ میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس شخص کی وجہ سے کوئی المیہ رونما ہو۔ شام کو وہ شخص حسب معمول واپس اسٹیشن آگیا۔

اس روز رات کو ارشاد کی شخصیت ان کے لیے مزید پراسرار ہوگئی۔ رات کو ارشاد ریلوے اسٹیشن پر ایک اوورہیڈ برج کے نیچے سویا تھا۔ وہاں اس کا بستر ایک ملنگ کے پاس تھا۔ ناجا نامی یہ ملنگ بھی کبھی کبھار پولیس کو مشکوک

لوگوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتا تھا۔ انسپکٹر وحید نے باجوہ کو ہدایت کی اور اس نے ملنگ کو ارشاد کے سلسلے میں الرٹ کردیا۔ آدھی رات کو ملنگ اٹھ کر وحید اور باجوہ کے پاس آیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ ارشاد کو مزید ڈھیل دینا ٹھیک نہیں۔ وہ یقیناً ایک پراسرار شخص ہے۔ اس نے انگریزی اخبار کا ایک تراشا وحید کو دکھایا۔ اس تراشے کو بڑی احتیاط سے تہ کرکے ایک اور کاغذ میں لپیٹا گیا تھا۔ تراشے میں لاہور کے چند پرہجوم تفریحی مقامات کی تصویریں تھیں اور ان کے بارے میں مکمل تفصیل درج تھی۔ مخبر ملنگ نے بتایا کہ یہ تراشا اس نے ارشاد کی جیب سے اڑایا ہے۔

○☆○

اس رات وحید اور باجوہ' ارشاد کو گرفتار کرکے پولیس اسٹیشن لے آئے۔ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا۔ کسی وقت وہ بالکل معصوم اور سادہ نظر آتا تھا۔ کسی وقت یوں لگتا تھا کہ وہ نہایت گہرا اور چالاک شخص ہے۔ بس ایک دھوپ چھاؤں سی تھی۔ یا یوں کہہ لیں کہ ایک اندھیرا اجالا تھا جس میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ محسوس ہوتا تھا کہ یہ شخص بے حد چالاک اور عیار ہے یا بے تحاشا سادہ ہے۔ اس سے پوچھا گیا وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے بہ مشکل اپنے گاؤں کا نام "رکھ والی" بتایا۔ اس نے کہا کہ وہ لکڑی کا کام نہیں جانتا بلکہ دیہاڑی مزدور ہے۔ وہ اپنی شادی کے لیے کچھ پیسے کمانے پہلی بار شہر آیا تھا۔ یہاں وہ روزانہ کام کی تلاش میں نکلتا ہے اور ناکام ہوکر واپس آجاتا ہے۔

وحید نے سوال کیا "تمہاری وہ بوری کہاں ہے جو دو تین روز پہلے تمہارے کندھے پر نظر آئی تھی۔"

بوری کی موجودگی سے وہ ایک بار پھر صاف مکر گیا اور اس نے کہا کہ اس کے پاس سرے سے کوئی بوری ہی نہیں تھی۔

وحید نے کہا "تم نے پہلے ایک شخص کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ تم لکڑی کا کام کرتے ہو۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ تم دیہاڑی مزدور ہو۔"

"میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔" ارشاد صاف مکر گیا۔

"اس کے سامنے گواہ پیش کیا گیا لیکن اس نے اسے بھی پہچاننے سے انکار کردیا۔ اس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

جب اسے بتایا گیا کہ اس کا تعاقب کیا جاتا رہا ہے اور اس کی ایک ایک مصروفیت نوٹ کی جاتی رہی ہے تو اس کا رنگ پھیلا پڑگیا۔ تاہم اس نے بڑے بچکانہ انداز میں پولیس کی ان معلومات کو جھٹلادیا۔ گاہے گاہے وہ بھوں بھوں کرکے رونے لگتا تھا اور اپنی زندگی سے بیزار دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک نہایت پیچیدہ ملزم ثابت ہورہا تھا۔ اس کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں تھی۔

جس دوران میں ارشاد سے پوچھ گچھ ہورہی تھی ایک شخص کو ارشاد کی تصویر دے کر شکر گڑھ کے گاؤں رکھ والی کی طرف دوڑا دیا گیا تھا تاکہ ارشاد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہوسکیں۔ یہ پولیس اہل کار شام کے بعد واپس لاہور پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ رکھ والی میں ارشاد ترکھان نام کا کوئی بندہ نہیں رہتا۔ اس کا مطلب تھا کہ ارشاد نے رکھ والی کا نام لے کر اپنے جھوٹوں میں ایک اور سفید جھوٹ کا اضافہ کرلیا تھا۔ اس تازہ انکشاف کے بعد ارشاد میں پولیس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ انویسٹی گیشن سے تعلق رکھنے والے کئی افسران اگلے چند گھنٹوں میں اس پولیس اسٹیشن پہنچ گئے جہاں ارشاد عرف شادے کو رکھا گیا تھا۔ ارشاد کی گول مول باتوں نے پولیس کو زچ کرکے رکھ دیا۔ آخر پولیس اہلکاروں نے اسے اپنے روایتی سلوک کا نشانہ بنایا۔ دو منٹ کے اندر ہی وہ نیم بے ہوش ہوگیا اور اس کے منہ سے رال بہنے لگی۔ ہوش میں آیا تو وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے پولیس والوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور بڑی بڑی قسمیں کھا کر وعدہ کیا کہ وہ سب کچھ سچ سچ بتادے گا۔"

وحید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "یہ دیہاتی لب ولہجہ چھوڑ دو اور انگریزی میں بات کرو۔ ہماری معلومات کے مطابق تم پڑھے لکھے ہو۔"

"میں پڑھا لکھا نہیں ہوں مائی باپ! میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں۔"

"کس ایجنسی کے لیے کام کرتے ہو؟" ایک ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا مائی باپ کیا پوچھ رہے ہیں؟"

"تمہارا ٹارگٹ کیا تھا؟" ایک اور افسر نے پوچھا۔

"مم۔ مجھے کچھ پتا نہیں صاحب۔"

"لاہور میں تمہارے لنکس کس کس سے ہیں؟"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا جناب۔"

"اور تم یہ وعدہ بھی کررہے ہو کہ تم اب سچ بولو گے اور کچھ بھی نہیں چھپاؤ گے۔"

"ہاں میں سچ بولوں گا مائی باپ مگر آپ سچ سنیں تو سہی۔"

"اچھا چلو بولو سچ۔"

وہ زمین پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے گنجلک بال

مٹھی میں جکڑے۔ آنکھوں سے تازہ آنسوؤں کے سوتے پھوٹ نکلے۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولا "میرا اصلی نام ارشاد ہی ہے صاحب جی۔ میں رکھ والی سے اٹھارہ کوس دور ایک پنڈ "غریب وال" کا رہنے والا ہوں۔ چھوٹا سا پنڈ ہے جی۔ اس میں نہ بجلی ہے' نہ سڑک اور نہ کوئی خط پتر وہاں پہنچتا ہے۔ اس پورے پنڈ میں بس دو تین ہی سیانے بندے ہیں۔ آپ پنڈ کی حالت کا اندازا اس بات سے لگالیں جی کہ پنڈ کے ان دو تین سیانے بندوں میں میرا نام بھی آتا ہے۔ پورے پنڈ میں صرف میں ہی ہوں جو اب تک وڈے شہر (لاہور) آیا ہوں۔ رابعہ میری منگ کا نام ہے جی۔ ہماری منگنی کو چھ سال ہوگئے ہیں۔ مائی باپ! میں غریبی کی وجہ سے اپنی منگ کو اپنے گھر نہیں لاسکا۔ وہ اور کتنی دیر میرا انتجار کرسکتی ہے۔ چھوٹی عید کو اس نے مجھ سے کہا "شادے! کچھ کر۔ نئیں تو میرا ابا میرا ویاہ کہیں اور کردے گا۔"... اس نے تھوڑے تھوڑے کرکے دو تین سو روپے جوڑے ہوئے تھے وہ اس نے مجھے دیے اور کہا کہ میں اس میں کچھ اور پیسے ڈال کر کام کے لیے اوجار خریدوں اور شہر جاکر کچھ پیسے اکٹھے کروں۔ میں نے دو سو روپے اپنی بیوہ بہن سے ادھار لیے۔ اپنی ماں کی چاندی کی دو بالیاں بیچیں اور گوجرانوالہ جاکر کام کے اوجار خرید لیے۔ آپ کو تو پتا ہے ہی جی کہ غریب مجدور کی کل جائیداد اس کے اوجار ہی ہوتے ہیں۔ میرے سارے اوجار کھڑ گئے۔"

"کھڑ گئے؟ کیا مطلب؟" ایک ساتھ دو تین آوازوں نے پوچھا۔

"گواچ گئے سرکار... گم ہوگئے۔"

اس کی میلی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگے۔ کرتے کے دامن سے آنسو پونچھ کر اس نے سر جھکالیا۔

"کیسے گم ہوگئے؟ کیا گر گئے یا کسی نے چھین لیے؟"

"نہیں جی... بس گواچ گئے۔ مجھ سے خود ہی گواچ گئے۔" وہ معصومیت کی تصویر نظر آنے لگا۔

"کیسے گواچ گئے؟"

وہ جیسے اپنے آپ سے ہی شرمندہ تھا۔ کچھ دیر تک ہچکچانے کے بعد بولا "میں صبح سویرے اوجاروں والی بوری لے کر کام ڈھونڈنے نکلا تھا۔ نہر پار کوٹھیوں والے علاقے (گلبرگ) میں مجھے ایک جگہ ترکھاناں کام مل گیا جی... مالکوں نے چار پانچ دروازوں کی چوکھاٹیں بدلوانی تھیں۔ انہوں نے کہا کل تک ہم لکڑی لے آئیں گے۔ تم اپنے اوجار ادھر ہی رکھ جاؤ۔ سویرے آکے کام شروع کردینا۔ میں اوجار ادھر کوٹھی کے برآنڈے میں رکھ کر آگیا جی... پھر... پھر..."

"پھر کیا ہوا؟" وحید نے پوچھا۔

"میں بڑا پاگل ہوں۔ مجھ سے بڑی گلتی ہوگئی ہے جی۔ میں وہ کوٹھی ہی بھول گیا ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولا "پچھلے پانچ دن سے میں وہاں جارہا ہوں جی۔ مجھے وہ کوٹھی ہی نہیں ملتی۔ میں نے دو تین نشانیاں رکھی تھیں۔ وہ بھی مجھے نہیں ملتیں جی۔ بڑی بھول ہوگئی ہے جی مجھ سے... میں پنڈ جاکر گھر والوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ رابعہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ وہ تو آس لگائے بیٹھی ہے کہ میں نے روپے کماکر لانے ہیں۔ یہاں کمائی کرتے کرتے اوجار بھی کھڑا دیے میں نے۔" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"تم مسجدوں کے اندر کیوں گھومتے رہتے تھے۔ ہم نے کئی بار تمہیں مسجد کے آس پاس دیکھا ہے۔" وحید نے پوچھا۔

"وہ جی... مسجد بھی تو ایک نشانی تھی اس کوٹھی کی۔ اس کوٹھی میں اوجار رکھنے کے بعد میں نے ایک پاس کی مسجد سے پانی پیا تھا۔ پانی پی کر باہر نکلا تو وہ مٹیالے رنگ کی کوٹھی سیدھے ہاتھ دو تین کوٹھیاں چھوڑ کر نجر آئی تھی۔ میں نے اس علاقے کی کئی مسجدیں دیکھی ہیں لیکن وہ کوٹھی نہیں ملی۔ پتا نہیں کدھر کھڑ گئی ہے وہ کوٹھی۔ میں پنڈ جاکر کیا منہ دکھاؤں گا جی۔"

"تمہاری جیب سے ایک اخباری کاغذ نکلا ہے' اس کا کیا چکر ہے۔" ایک ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"اس میں کوئی بری بات ہے مائی باپ؟" وہ کانپ کر رہ گیا

"وہ کاغذ کیسے پہنچا تمہاری جیب میں؟"

"اخبار سے پھاڑ کر رکھ لیا تھا جی۔"

"یہی تو پوچھ رہے ہیں کہ کیوں رکھ لیا تھا۔"

"بس جی' چھوٹے پپو کے لیے رکھ لیا تھا۔"

"یہ چھوٹا پپو کون ہے؟" ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"پپو میرا بھتیجا ہے سرکار' اسکول پڑھتا ہے۔ رابعہ بھی اس سے بڑا پیار کرتی ہے۔ وہ... پپو کو وڈا شہر (لاہور) دیکھنے کا بڑا چاہ ہے جی۔ اس "کاگج" پر شہر کی مورتیں تھیں۔ شاہی قلعہ تھا' بادشاہی مسجد تھی' یادگار تھی۔ میں نے یہ کاگج پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مجھ سے کوئی گلتی ہوگئی ہے جی؟" وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔ اس کے فاقہ زدہ ہونٹ لرزتے چلے جارہے تھے۔

انسپکٹر وحید' ایس آئی باجوہ اور ان کے اعلیٰ افسران خاموش بیٹھے اور حیرت سے اس شخص کو دیکھے چلے جارہے

تھے۔ غالباً سب سے زیادہ حیرت وحید کو ہی تھی۔ اس کی پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ساتھ اس کی چہرہ شناسی بھی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ جس سادگی کو وہ بہروپ سمجھ رہا تھا' وہ بہروپ انہیں اصلیت تھی۔ وحید کے تصور میں جو شخص کسی ملک دشمن ایجنسی کا ایجنٹ تھا اور اپنے حلیے میں اپنی بے پناہ عیاری چھپائے ہوئے اپنے ٹارگٹ کی تلاش میں تھا' دراصل کسی ٹارگٹ کی تلاش میں نہیں بلکہ اپنی بوری کی تلاش میں تھا۔ اس کے اوزاروں کی بوری جسے وہ سادہ لوح کسی بے پروا صاحب ثروت کی کوٹھی میں رکھ کر بھول گیا تھا اور اب ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

وحید کے افسران کو اپنے وقت کے ضائع ہونے کا شدید احساس تھا۔ ان میں سے کئی ایک برے برے منہ بنا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب اٹھ کر چلے گئے اور بھیگی آنکھوں والے دیہاتی کے پاس بس وحید اور اس کے دو تین ماتحت رہ گئے۔ اس سادہ لوح نے بڑی عاجزی سے وحید کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا "سرکار' میں نے آپ کو اپنے پنڈ کا نام بتادیا ہے' اب میری عجّت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ پنڈ میں سب مجھے بڑا سیانا سمجھتے ہیں اور وہ میری منگ تو سمجھتی ہے کہ سارے جہان کی عقل مت میرے اندر ہی بھری ہوئی ہے۔ اگر اسے پتا چلا کہ وڈے شہر میں میرے ساتھ کیا ہوا ہے تو وہ بڑی شرمندی ہوگی۔ سارے پنڈ والے بھی میرا بڑا مجاق اڑائیں گے۔ میری عجت خراب ہو جائے گی سرکار۔"

وحید کا پیشہ ایسا نہیں تھا کہ کسی پر ترس کھایا جاتا مگر نہ جانے کیوں اسے اس سادہ لوح پر بہت ترس آیا۔ وہ کچھ دیر تک یک ٹک اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس لے کر اس نے دیہاتی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "دیکھو شادے!" اس نے نرم آواز میں کہا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا' اب سیدھے واپس پنڈ چلے جاؤ ورنہ کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ شہروں کے حالات آج کل بڑے خراب ہیں۔ یہاں قدم قدم پر مصیبت کھڑی ہے۔ لوگوں کے کپڑے تک اتر جاتے ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟ جس طرح تم یہاں منہ اٹھاکر گھومتے پھر رہے ہو' کسی بھی وقت پولیس کے ہتھے چڑھ سکتے ہو یا کسی اور بکھیڑے میں پڑ سکتے ہو۔"

وہ کافی دیر تک ارشاد عرف شادے سمجھاتا رہا۔ وہ آنسو بہاتا رہا اور سعادت مندی سے سرہلاتا رہا۔ اس کے پاس واپسی کا کرایہ موجود تھا' وحید نے اسے گاؤں واپس بھیج دیا۔ کہنے کو تو ارشاد واپس اپنے گاؤں چلا گیا مگر وحید کے دل میں شک سا تھا۔ گاہے گاہے اس کے ذہن میں خیال آتا تھا کہ شاید شادا واپس گاؤں نہیں گیا اور ابھی یہیں شہر میں گمشدہ متاع تلاش کر رہا ہے۔ ایک دوبار اس کے دل میں آئی کہ وہ کسی کانسٹیبل کو شادے کا ایڈریس دے کر اس کے گاؤں بھیجے اور پتا کرائے کہ وہ گاؤں پہنچا یا نہیں لیکن پھر مصروفیت میں یہ خیال اس کے ذہن کی گرفت سے نکل گیا۔

چار پانچ روز بعد اسے ایک اہم کیس کی تاریخ بھگتنے کے لیے ملتان جانا پڑ گیا۔ اس کی واپسی وہاں سے قریباً دس روز بعد ہوئی۔ جس روز وہ واپس لاہور پہنچا۔ اسی روز ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ وحید کو ایک شخص کا نزاعی بیان لینے کے لیے فوراً سروسز اسپتال جانا پڑا۔ اس شخص کو گلبرگ کے علاقے میں ایک کوٹھی کے سیکیورٹی گارڈ نے گولی مار کر شدید زخمی کردیا تھا۔ اسپتال پہنچ کر وحید نے جاں بلب شخص کو دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ وہ ارشاد عرف شادا ہی تھا۔ اس کی جان واقعی لبوں پر پہنچ چکی تھی۔ گولی اس کے کولہے سے نکال لی گئی تھی۔ ارشاد ان دو ہفتوں میں پہلے سے بڑھ کر مصیبت زدہ اور خستہ حال نظر آنے لگا تھا۔ ایک سرکاری افسر کے گھریلو چوکیدار نے وحید کو بتایا کہ یہ شخص شام کے بعد مشکوک انداز میں ایک کوٹھی کے اندر تاک جھانک کر رہا تھا۔ گارڈ نے اسے للکارا تو یہ بھاگ کھڑا ہوا۔ گارڈ نے تاریکی میں اس کا پیچھا کیا اور نہ رکنے پر گولی چلادی' جو اس کے کولہے میں لگی۔

مضروب کی جامہ تلاشی میں بس کے کچھ پرانے ٹکٹ' دس دس کے دو نوٹ اور ڈیڑھ روپے کی ریزگاری ملی تھی۔ اس کے علاوہ ایک جیب میں بھنے ہوئے چنے اور گڑ کی چھوٹی سی ڈلی تھی۔ وحید بڑے دکھ کے ساتھ جاں بلب شادے کے اوپر جھک گیا۔ شادا بڑے دھیمے لہجے میں اٹک اٹک کر بولا "مجھے معافی دے دو صاحب... مجھ سے بڑی غلتی ہوئی۔ میں واپس پنڈ نہیں گیا تھا۔ اپ... اپنی بوری... کے بغیر میں کیسے جاتا؟ اپنی ماں کو اور اس کو (رابعہ کو) کیا منہ دکھاتا..." وہ کچھ دیر تک اپنی اکھڑی سانسوں کو درست کرنے کی بھرپور کوشش کرتا رہا مگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر نے معذرت کرکے وحید کو پیچھے ہٹادیا۔

کچھ ہی دیر بعد شادا دم توڑ گیا۔ وحید کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ وہ اس غریب شہر کو دیکھتا رہا۔ جو محنت کشی کا سادہ لوح ایجنٹ تھا۔ جس کے "خفیہ رابطے" صرف اپنی لاچاری سے تھے اور اس شہر میں جس کا پہلا اور آخری ٹارگٹ اپنے اوزاروں کی بوری ڈھونڈنا تھا۔